نبوت کے جھوٹے مدعی، قادیانی کذاب کی زندگی کے ایک پہلو پر مفصل تحریر

مرزا قادیانی

لکھی طوائف کے کوٹھے پر

مفتی سید مبشر رضا قادری

منتظم اعلیٰ ختم نبوت فورم و جامعہ ختم نبوت گوجرانوالہ


+923247448814

مرزا قادیانی لکھی طوائف کے کوٹھے پر

یہ رسالہ سابقہ باب "مرزا قادیانی ہیرا منڈی میں" کا منطقی تسلسل ہے، مگر یہاں محض عمومی قیام نہیں بلکہ مخصوص کوٹھے، مخصوص طوائف، اور مخصوص مقام کے ساتھ مرزا قادیانی کے قیام کا دعویٰ زیرِ بحث آئے گا۔ اس رسالے میں جذباتی الزام نہیں بلکہ معاصر اخبارات، غیر قادیانی مصادر، اور تاریخی شہادتوں کی بنیاد پر وہ حقائق پیش کیے جائیں گے جن سے یہ بات ناقابل تردید طور پر سامنے آتی ہے کہ لاہور میں مرزا قادیانی کا قیام سنہری مسجد کے بالمقابل لکھی طوائف کے کوٹھے پر تھا۔ یہ محض اخلاقی سوال نہیں بلکہ دعویٰ دیانت، دعویٰ اصلاح، اور دعویٰ الہام کی بنیادوں پر ایک کڑا احتساب ہے۔

لکھی طوائف کا کوٹھا

یہ دجال ملتان کی شہادت سے فارغ ہو کر لاہور میں پہنچا۔ اور لکھی طوائف کی بیٹھک میں سنہری مسجد کے متصل ٹھہرا۔ اور ملا محمد بخش صاحب مہتمم اخبار جعفر زٹلی اور منشی امام الدین صاحب نے اس دجال کو اسکے کفریات پر بحث کرنے کے لئے للکارا۔ تو دم دبا کر بھاگ گیا۔ اور اسکے بھاگنے پر شہر کے لڑکے اسکے پیچھے ہو لئے اور تالیاں بجاتے اور وہ بھاگا پکارتے ہوئے دہلی دروازہ سے باہر نکال کر واپس ہو رہے۔ چنانچہ پرچہ اخبار جعفر زٹلی لاہور مورخہ 1897ء میں کہا ہے" مرزا کادیانی لاہور میں۔ مرزا جی دورہ کرتے ہوئے 29 اکتوبر لاہور میں پہنچے سنہری مسجد کے سامنے لکھی طوائف کے مکان پر اترے۔ ہر چند ہمنے انکو مباحثہ کے لئے کہا۔ مگر وہ اپنی کرتوتوں سے

مقابلہ میں نہ آئے اور نہ کسی قسم کے مسئلہ کا جواب دیا۔"

(اشاعۃ السنۃ، کادیانی کی شکست، نمبر 9، جلد 18 صفحہ 282)

پیش کردہ اقتباس میں سب سے پہلے قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ یہاں روایت قادیانی مصادر سے نہیں بلکہ ایک غیر قادیانی، معاصر صحافتی شہادت سے پیش کی جا رہی ہے، یعنی اخبار جعفر زٹلی لاہور (1897ء)، جس کی حیثیت ایک زمانہ واقعہ کے عینی مشاہد کی ہے۔ یہ امر اس دعویٰ کو غیر معمولی وزن دیتا ہے، کیونکہ یہاں نہ مذہبی تعصب کا الزام چلتا ہے اور نہ بعد کی گھڑی ہوئی کہانی کا شبہ رہتا ہے۔

دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ خبر میں قیام کی جگہ کو نہایت صراحت سے بیان کیا گیا ہے: سنہری مسجد کے سامنے لکھی طوائف کے مکان پر اترے"۔ یہ بیان نہ مبہم ہے، نہ مجمل، اور نہ ہی محض محاورہ۔ لاہور کے جغرافیے اور سماجی ساخت سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ سنہری مسجد کے متصل علاقہ اور وہاں کے کوٹھے کس نوعیت کے تھے۔ اس وضاحت کے بعد یہ تاویل ممکن نہیں رہتی کہ قیام کسی شریف یا غیر مشتبہ مقام پر تھا۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اس اقتباس میں مرزا قادیانی کے اخلاقی فرار کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے۔ جب ملا محمد بخش اور منشی امام الدین جیسے افراد نے کفریات پر علمی بحث کے لیے للکارا تو مباحثے سے گریز کیا گیا۔ یہاں فرار محض جسمانی نہیں بلکہ فکری و اعتقادی کمزوری کی علامت ہے۔ یہی نہیں بلکہ عوامی ردِعمل تالیاں، نعرے، اور شہر کے لڑکوں کا پیچھا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس قیام اور طرزِ عمل کو لاہوری عوام نے بھی ناپسندیدگی اور تضحیک کی نظر سے دیکھا۔

چوتھا اور نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ یہ تمام واقعہ کسی دشمن کی تحریر نہیں بلکہ ایک معروف اخبار کی رپورٹ ہے، جس نے نہ صرف قیام کا مقام بتایا بلکہ یہ بھی درج کیا کہ مرزا قادیانی کسی

مسئلے کا جواب دیے بغیر وہاں سے نکل گیا۔ یہ خاموشی خود ایک گواہی ہے ایسی گواہی جو دعویٔ صدق کے بلند بانگ نعروں کے ساتھ کسی صورت ہم آہنگ نہیں ہوتی۔

یہاں سوال یہ نہیں کہ کوئی عام شخص کہاں ٹھہرا، بلکہ سوال یہ ہے کہ جس نے خود کو اصلاحِ خلق، تجدیدِ دین، بلکہ بعد ازاں منصبِ نبوت تک کا مدعی بنایا اس کے افعال اس کے دعووں سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں۔ اگر کسی شخص کے افعال اس کے دعووں کی جڑ کاٹ دیں تو پھر اس کے لیے الہامات، پیش گوئیاں اور تاویلات سب غیر مؤثر ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ اصولی نکتہ ہے جسے یہ رسالہ واضح کرتا ہے۔

یہ رسالہ محض ایک مقام کے تعین پر ختم نہیں ہوگا، بلکہ آئندہ ابواب میں: لکھی طوائف کی حیثیت، اس کوٹھے کی سماجی نوعیت، وہاں کے روابط، اور قادیانی مصادر میں ان امور پر پائی جانے والی خاموشی یا تحریف کو الگ الگ، مستند حوالہ جات کے ساتھ زیرِ بحث لایا جائے گا۔ یوں قاری کے سامنے ایک مکمل تصویر آئے گی، جس میں دعویٰ، کردار اور حقیقت تینوں کا تقابل خود بولتا نظر آئے گا۔

لکھی طوائف کا کوٹھا اور قادیانی مصادر

> مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ ایک دفعہ ملتان کسی مقدمہ میں گواہی دینے کی کیلئے تشریف لے گئے۔ میں نے اُس وقت خواہش کی کہ میں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ میری عمر اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے ملتان میں کیا کیا دیکھا۔ جب ہم واپس آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں بھی ایک دو دن ٹھہرے۔ انہی دنوں کسی دوست نے شہر کے اندر آپ کی دعوت کی۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ وہ کھانے کی

دعوت تھی یا اُس دوست نے کسی اور تقریب پر آپ کو بلایا تھا۔جس وقت آپ وہاں سے واپس آ رہے تھے تو وزیر خان کی تی مسجد یا سنہری مسجد کے قریب بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔مفتی محمد صادق صاحب بھی اُن دنوں وہیں قریب رہتے تھے اور میاں تاج دین صاحب وہیں رہتے تھے۔میں نہیں جانتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن میں سے کس دوست کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔

(خطبات محمود جلد 18،صفحہ 392،سال 1937)

(قادیانی اخبار الفضل 11 ستمبر 1937ء،صفحہ 6)

(تذکار مہدی صفحہ 503)

شرم سے مبہم مقام، مگر حقیقت بے نقاب

اس واقعہ کی سب سے اہم اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ غیر قادیانی ذرائع نے جس مقام کو صراحت کے ساتھ "لکھی طوائف کا کوٹھا، سنہری مسجد کے سامنے" قرار دیا ہے، وہی واقعہ قادیانی کتب میں موجود تو ہے مگر مقام کو جان بوجھ کر مبہم اور گول مول بنا دیا گیا ہے۔یہ طرزِ عمل محض اتفاق نہیں بلکہ ایک واضح تاریخی تحریف اور اخلاقی بد دیانتی کا ثبوت ہے۔

قادیانی روایت میں اعتراف موجود ہے کہ مرزا قادیانی ملتان سے واپسی پر لاہور میں سنہری مسجد یا وزیر خان مسجد کے قریب ٹھہرے، ہجوم ہوا، لوگ جمع ہوئے، اور دوستوں کے مکانات کا ذکر آیا۔لیکن یہاں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ:

اگر قیام کسی شریف، معروف اور قابل ذکر مقام پر تھا تو پھر مقام کا نام واضح طور پر کیوں نہیں لیا گیا؟

تاریخ نویسی کا اصول یہ ہے کہ جہاں حقیقت صاف ہو، وہاں ابہام نہیں رکھا جاتا۔ابہام وہاں رکھا جاتا ہے جہاں سچ بتانے میں شرم آتی ہو۔

مبہم الفاظ دراصل پردہ پوشی ہیں

قادیانی مصنف لکھتا ہے:

"میں نہیں جانتا کہ حضرت مسیح موعود اُن میں سے کس دوست کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔"

یہ جملہ بظاہر لاعلمی ظاہر کرتا ہے، مگر درحقیقت یہ ایک دانستہ اسلوبِ فرار ہے۔ کیونکہ:

1. واقعہ غیر معمولی تھا، ہجوم ہوا، شور برپا ہوا، مسجدوں کا حوالہ آیا۔

2. ایسے حالات میں یہ کہنا کہ "یاد نہیں" یا "معلوم نہیں"، علمی دیانت کے خلاف ہے۔

3. خاص طور پر جب اسی واقعہ کو غیر قادیانی اخبارات اور رسائل مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہوں۔

یہاں "یاد نہیں" کہنا دراصل "بتا نہیں سکتے" کا مہذب متبادل ہے۔

مقام چھپانا خود جرم کا قرینہ ہے

عدالت، تاریخ اور تحقیق تینوں میں ایک مسلمہ اصول ہے:

اگر کوئی شخص واقعہ مان لے مگر مقام چھپا دے تو یہی چھپاؤ خود الزام کی تائید بن جاتا ہے۔

قادیانی روایت یہ مان رہی ہے کہ:

☆ لاہور میں قیام ہوا۔

☆ سنہری مسجد کے قریب تھا۔

☆ ہجوم اکٹھا ہوا۔

☆ لوگوں نے سخت ردعمل دکھایا۔

☆ لیکن یہ نہیں بتایا جا رہا کہ وہ کون سا مکان تھا۔

جبکہ مخالف روایت صاف کہتی ہے: سنہری مسجد کے سامنے، لکھی طوائف کا کوٹھا

اب قاری خود فیصلہ کرے: صاف بات کہنے والا زیادہ معتبر ہے یا بات کو دھندلا دینے والا؟

یہ اختلاف روایت نہیں، نیت کا اختلاف ہے

یہ کہنا درست نہیں کہ یہاں دو مختلف روایات ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک روایت سچ بول رہی ہے اور دوسری روایت سچ چھپا رہی ہے۔

اگر قادیانی روایت جھوٹی ہوتی تو: وہ واقعہ ہی منکر ہو جاتی، لاہور میں قیام سے انکار کر دیتی، ہجوم اور مسجدوں کے ذکر کو رد کر دیتی۔

لیکن ایسا کچھ نہیں کیا گیا، بلکہ: واقعہ مان لیا، وقت مان لیا، جگہ کا دائرہ مان لیا، بس اصل مقام کا نام غائب کر دیا، یہی وہ مقام ہے جہاں تاریخ بولتی ہے اور تحریف خاموش ہو جاتی ہے۔

اس واقعہ کا خلاصہ

اس اقتباس سے درج ذیل امور ناقابل انکار طور پر ثابت ہوتے ہیں:

1. مرزا قادیانی کا لاہور میں قیام ایک تسلیم شدہ تاریخی حقیقت ہے۔

2. قیام سنہری مسجد کے متصل علاقے میں تھا، جو ہیرا منڈی کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔

3. قادیانی کتب میں واقعہ موجود ہے مگر مقام کو جان بوجھ کر مبہم رکھا گیا ہے۔

4. غیر قادیانی ذرائع اسی واقعہ کو واضح طور پر "لکھی طوائف کے کوٹھے" سے جوڑتے ہیں۔

5. مقام چھپانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ اصل مقام قابل بیان نہیں تھا۔

یہی وہ نکتہ ہے جہاں سے اگلا رسالہ "مرزا قادیانی لکھی طوائف کے کوٹھے پر" ایک الزام

نہیں بلکہ دستاویزی حقیقت بن کر سامنے آتا ہے، اور آئندہ ابواب میں اسی حقیقت کے مزید ناقابلِ تردید شواہد پیش کیے جائیں گے۔

لکھی طوائف کے کوٹھے پر موجودگی کی باہمی تصدیق اور تاریخی تطبیق

پہلے حوالے میں غیر قادیانی ماخذ "اشاعۃ السنۃ" نے صراحت کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا کہ مرزا قادیانی ملتان سے واپسی پر لاہور میں سنہری مسجد کے متصل "لکھی طوائف" کے مکان پر ٹھہرا، مباحثہ سے گریز کیا اور عوامی ملامت کے ساتھ شہر سے نکل گیا۔ یہ بیان اپنی نوعیت میں عینی شہادت، مقامِ وقوع کی تعیین، تاریخ اور سیاق سب کچھ واضح کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں قادیانی ماخذات "خطبات محمود"، "الفضل" اور "تذکار مہدی" اسی سفرِ ملتان کے بعد لاہور میں "سنہری مسجد/ وزیر خان مسجد کے قریب" قیام اور ہجوم کے جمع ہونے کی بات تو مانتے ہیں، مگر قیام گاہ کا نام مبہم رکھ دیتے ہیں۔ یہی ابہام دراصل تصدیق کا قرینہ بنتا ہے، کیونکہ مقام، زمانہ، ہجوم اور دعوت چاروں عناصر دونوں روایتوں میں مشترک ہیں؛ اختلاف صرف قیام گاہ کے نام کو چھپانے میں ہے، جو تاریخی تطبیق کے اصول کے مطابق نفی نہیں بلکہ تقویت شمار ہوتی ہے۔

مقام کی تعیین میں شرمناک حذف اور اعترافِ ضمنی

قادیانی روایت کہتی ہے کہ "دوست کے مکان" پر دعوت تھی، مگر یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ وہ مکان سنہری مسجد کے قریب تھا اور واپسی پر بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ غیر قادیانی روایت اسی مخصوص مقام پر "لکھی طوائف کے کوٹھے" کی تعیین کرتی ہے۔ جب ایک فریق مقام کو صاف لفظوں میں نام لیتا ہے اور دوسرا اسی مقام کی جغرافیائی شناخت تو مانتا ہے مگر نام گول کر دیتا ہے، تو تاریخ نویسی میں یہ طرزِ عمل اعترافِ ضمنی سمجھا جاتا ہے۔ اگر واقعی کوئی معزز رہائشی

مکان ہوتا تو نام چھپانے کی حاجت نہ تھی؛ نام چھپانا خود اس امر کی شہادت ہے کہ اصل حقیقت بیان کرنے میں حیا یا مصلحت مانع تھی۔

دعویٰ مہدیت و مسیحیت کے معیار کے مقابلے میں عملی تضاد

اب یہاں تقابل ضروری ہے۔ مدعیِ مہدیت و مسیحیت کے لیے محض ذاتی زہد کا دعویٰ کافی نہیں، بلکہ "مظانِ تہمت" سے بچنا، دعوت کے اسلوب میں شفافیت اور عوامی اخلاق کے اعلیٰ معیار کی پابندی لازم ہوتی ہے۔ جب قیام ایسی جگہ پر ہو جس کی شہرت ہی بدکاری سے وابستہ ہو، اور پھر اس قیام کو اپنے ہی مصنفین مبہم بنانے پر مجبور ہوں، تو یہ عملی تضاد مدعا کو کمزور کر دیتا ہے۔ مہدی یا مسیح کا منصب شبہات کو جنم دینے والی جگہوں سے اجتناب اور کردار کی ایسی علانیت چاہتا ہے جس میں مخالف بھی تہمت کی جرأت نہ کرے؛ یہاں صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔

مباحثہ سے فرار اور دعویٰ صداقت کی کمزوری

پہلے ماخذ کے مطابق مباحثہ کی للکار پر پسپائی اختیار کی گئی۔ قادیانی ماخذات مباحثہ کے واقعہ کو نہیں جھٹلاتے، صرف سیاق کو دھندلا دیتے ہیں۔ دعویٰ صداقت کا تقاضا یہ ہے کہ علمی و دینی اعتراضات کا سامنا کیا جائے، نہ کہ مقام اور واقعہ دونوں کو مبہم کر کے تاریخ میں چھوڑ دیا جائے۔ یہ رویہ دعویٰ کی اخلاقی قوت کو گھٹاتا ہے اور یہ سوال کھڑا کرتا ہے کہ اگر مدعا حق تھا تو صاف گوئی کیوں نہ اپنائی گئی۔

باہمی شواہد سے ثابت موجودگی اور دعویٰ کا انہدام

ان دونوں حوالہ جاتی سلسلوں کو ملا کر نتیجہ واضح ہے: سفرِ ملتان کے بعد لاہور میں سنہری مسجد کے قرب و جوار میں قیام ایک مسلم امر ہے؛ غیر قادیانی ماخذ قیام گاہ کو "لکھی طوائف کے

کوٹھے“ کے طور پر متعین کرتا ہے، جبکہ قادیانی ماخذ اسی مقام کو مان کر نام چھپاتا ہے۔ یہ تطبیق مرزا قادیانی کی اس مقام پر موجودگی کو مضبوط بناتی ہے۔ جب اس موجودگی کو دعویٰ مہدیت ومسیحیت کے اخلاقی و دعوتی معیار پر پرکھا جائے تو دعویٰ اپنے ہی عملی قرائن سے متناقض دکھائی دیتا ہے اور یہی تقابل اس دعویٰ کے انہدام کے لیے کافی ہے۔

مقام، ماحول اور دعویٰ ایک ناقابلِ انکار تقابل

ان دونوں رسالوں کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو سب سے نمایاں حقیقت یہ ابھر کر سامنے آتی ہے کہ مرزا قادیانی کے لاہور کے اسفار محض وقتی قیام یا اتفاقی ٹھہراؤ نہیں تھے، بلکہ وہ باقاعدہ طور پر ایسے مقامات پر مقیم رہا جو اُس وقت بھی اور آج بھی بدکاری، فحاشی اور فسق وفجور کے مراکز سمجھے جاتے ہیں۔ ہیرا منڈی جیسے علاقے میں قیام اور پھر سنہری مسجد کے بالمقابل لکھی طوائف کے کوٹھے پر ٹھہرنا یہ دونوں امور مل کر ایک مسلسل طرزِ عمل کی نشاندہی کرتے ہیں، نہ کہ کسی مجبوری یا عارضی انتظام کی۔

تاریخی تضاد اور قادیانی تحریف

قادیانی مصادر ایک طرف خود اس قیام کی تصدیق کرتے ہیں، مگر دوسری طرف مقام کے تعین میں ابہام، ناموں کی تبدیلی، اور فرضی تعبیرات پیش کر کے اصل حقیقت کو دھندلانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ کہیں ہیرا منڈی کو ”محبوب رایوں کا مکان“ کہا جاتا ہے، کہیں ”منگے منڈی“ جیسا غیر متعلقہ نام گھڑ دیا جاتا ہے، اور کہیں ”کسی دوست کا مکان“ کہہ کر بات کو مبہم چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ طرزِ تحریر خود اس بات کا ثبوت ہے کہ مصنفین اصل مقام کے ذکر سے گریزاں ہیں، اور یہ گریز کسی سادہ احتیاط کا نہیں بلکہ ایک واضح تاریخی چھپاؤ (concealment) کی علامت ہے۔

لکھی طوائف کا کوٹھا: خارجی و داخلی شہادت کا اتصال

غیر قادیانی ماخذ (اشاعۃ السنۃ، اخبار جعفر زٹلی) مرزا قادیانی کی لکھی طوائف کے کوٹھے پر موجودگی کو صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں، جبکہ قادیانی کتب اسی واقعے کو تسلیم کرتے ہوئے مقام کو گول کر جاتی ہیں۔ جب خارجی شہادت واضح ہو اور داخلی شہادت مبہم مگر واقعاتی طور پر ہم آہنگ ہو، تو تاریخ میں اسے تطبیقِ شہادت کہا جاتا ہے، جو کسی واقعہ کے ثبوت کو مزید مضبوط کر دیتی ہے۔ یہاں یہی صورت حال ہے۔

دعویٰ مسیحیت و مہدیت کا عملی امتحان

اب سوال یہ نہیں رہتا کہ مرزا قادیانی لاہور آیا یا نہیں، بلکہ اصل سوال یہ بنتا ہے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو مسیح موعود، مہدی آخر الزمان، بلکہ بعد ازاں نبی ثابت کرنے کی جسارت کی، اُس کا عملی انتخابِ مقام کیا اس کے دعووں کے شایانِ شان تھا؟

یہاں تقابل خود بخود قائم ہو جاتا ہے:

دعویٰ یہ کہ وہ خدا کی طرف سے امت کی تطہیر کے لیے مبعوث ہے، اور عمل یہ کہ قیام ایسے مراکز میں جہاں عام صالح مسلمان بھی جانے سے کتراتے تھے۔

دعویٰ یہ کہ وہ فتنوں سے بچانے آیا ہے، اور حقیقت یہ کہ خود فتنہ انگیز ماحول میں سکونت اختیار کیے ہوئے ہے۔

اخلاقی معیار کا سماجی ردِعمل

یہ بھی قابل غور ہے کہ انہی مقامات کے بدقماش اور گنہگار لوگ بھی مرزا قادیانی کی موجودگی کو ناپسند کرتے، اسے نازیبا سمجھتے، اور اس کے دعووں کو سنجیدگی سے قبول نہیں کرتے تھے۔ یہ سماجی ردِعمل خود اس بات کا اعلان ہے کہ مرزا قادیانی کا کردار اور مقام، حتیٰ کہ اخلاقی اعتبار سے بھی، اُس کے بلند دعووں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تھا۔

ان دونوں رسالوں کو یکجا کرنے سے جو تصویر بنتی ہے وہ نہ صرف مرزا قادیانی کے دعویٰ مسیحیت و مہدیت کو سخت سوالات کے کٹہرے میں کھڑا کرتی ہے، بلکہ قادیانی تاریخ نگاری کے اس انداز کو بھی بے نقاب کرتی ہے جس میں مقامات، ناموں اور واقعات کو بدل بدل کر ایک مصنوعی تقدس پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہ رسالے محض الزامات کا مجموعہ نہیں بلکہ خود قادیانی اور غیر قادیانی مصادر کے باہمی تقابل سے اخذ کردہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہیں جسے نظرانداز کرنا اب علمی دیانت کے خلاف ہے۔

یہ مجموعی تبصرہ دراصل آئندہ آنے والے رسائل جیسے کنچنیوں کی کمائی، طوائفوں کے مجرے اور دیگر متعلقہ ابواب کے لیے فکری اور تحقیقی بنیاد فراہم کرتا ہے، جہاں اسی تسلسل کو مزید دستاویزی شواہد اور تقابلی دلائل کے ساتھ آگے بڑھایا جائے گا، تاکہ قاری کے سامنے مرزا قادیانی کی اصل سوانحی تصویر بلاکم و کاست آسکے۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ ملتان کسی مقدمہ میں گواہی دینے کیلئے تشریف لے گئے۔ میں نے اُس وقت خواہش کی کہ میں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ میری عمر اُس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے ملتان میں کیا کیا دیکھا۔ جب ہم واپس آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں بھی ایک دو دن ٹھہرے۔ اُنہی دنوں کسی دوست نے شہر کے اندر آپ کی دعوت کی۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ وہ کھانے کی دعوت تھی یا اُس

دوست نے کسی اور تقریب پر آپ کو بلایا تھا۔ جس وقت آپ وہاں سے واپس آرہے تھے تو وزیر خان کی مسجد یا سنہری مسجد کے قریب بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ مفتی محمد صادق صاحب بھی اُن دنوں وہیں قریب رہتے تھے اور میاں تاج دین صاحب وہیں رہتے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن میں سے کس دوست کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔ بہر حال جب واپس آئے تو مسجد کے قریب بہت بڑا ہجوم تھا اور جونہی لوگوں نے آپ کی گاڑی دیکھی انہوں نے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔ بعض گالیاں دینے لگ گئے، بعض نے آپ کے خلاف نعرے لگائے اور شور سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ شاید یہ نظارہ میرے ذہن سے اُتر جاتا اور میں اِس واقعہ کو بالکل بُھول جاتا مگر بچپن کی عمر کے لحاظ سے ایک بات میں نے ایسی دیکھی کہ جس نے اس نظارہ کے نقوش کو بہت گہرے طور پر میرے دماغ پر ثبت کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڈھا شخص جس کی داڑھی ناف تک پہنچ رہی تھی، ۷۵۔ ۸۰ سال اس کی عمر ہوگی، اُس کا قد لمبا اور جسم دُبلا پتلا تھا۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ پر زرد زرد پٹیاں باندھی ہوئی تھیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا ہاتھ زخمی ہے اور ہاتھ پہنچے کے آگے سے کٹا ہوا تھا۔ اپنے اس ٹنڈ کو دوسرے صحیح ہاتھ پر مار رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ہائے ہائے مرزا، ہائے ہائے مرزا۔ اپنے بچپن کے لحاظ سے یہ نظارہ میرے لئے ایک عجیب نظارہ تھا کہ ایک شخص کا ہاتھ کٹا ہوا ہے اور اُس پر ہلدی وغیرہ اس نے باندھی ہوئی ہے مگر وہ اپنا ٹُنڈ دوسرے ہاتھ پر مارتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے ہائے ہائے مرزا، ہائے ہائے مرزا۔ بے شک یہ چیزیں ہوئیں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اِن باتوں کو دیکھ کر خوش ہوئے اور وہ اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ دیکھا! ہم نے احمدیوں کا کیسا ناطقہ بند کیا، ان کو کیسا ذلیل اور کیسا رُسوا کیا۔ مگر دنیا کی نگاہوں

تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کہنے لگے۔ کہ ہم سے تو انہوں نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ پھر اسی غصہ میں وُہ سارے ہندوستان میں پھرے اور آپ پر کفر کا فتوے لگایا۔ اور کہا کہ میں نے ہی اس شخص کو اونچا کیا تھا۔ اور اب میں ہی اسے نیچے گراؤنگا مگر نتیجہ کیا نکلا۔ انہوں نے اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ آپ کا مقابلہ کیا۔ تھوڑے دنوں کے لئے ہاؤ ہو کا شور بھی مچالیا آپ کو گالیاں بھی دی گئیں۔ آپکو بُرا بھلا بھی کہا گیا۔ آپ کے خلاف لوگوں کو مشتعل بھی کیا گیا۔ مگر

آخر فتح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہی حاصل ہوئی

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ ملتان کسی مقدمہ میں گواہی دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ میں نے اس وقت خواہش کی کہ میں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں چنانچہ آپ مجھے اپنے ساتھ لے گئے میری عمر اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے یہ بھی یاد نہیں۔ کہ میں نے ملتان میں کیا کیا دیکھا۔ جب ہم واپس لَے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں بھی ایک دو دن ٹھہرے۔ انہی دونوں کسی دوست نے شہر کے اندر آپ کی دعوت کی۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ وہ کھانے کی دعوت تھی یا اس دوست نے کسی اور تقریب پر آپ کو بلایا تھا جس وقت آپ وہاں سے واپس آرہے تھے۔ تو زیر خان کی مسجد یا شہری مسجد کے قریب

بہت بڑا ہجوم

اکٹھا ہو گیا۔ مفتی محمد صادق صاحب بھی ان دنوں وہیں قریب رہتے تھے۔ اور میاں تاج دین صاحب بھی وہیں رہتے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان میں سے کس دوست کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔ بہرحال جب واپس آئے تو مسجد کے قریب بہت بڑا ہجوم تھا۔ اور جونہی لوگوں نے آپ کی گاڑی دیکھی۔ انہوں نے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔ بعض گالیاں دینے لگ گئے۔ بعض نے آپ کے خلاف نعرے لگائے۔ اور شور سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ شائد یہ نظارہ میرے ذہن سے اتر جاتا۔ اور میں اس واقعہ کو بالکل بھول جاتا۔ مگر

بچپن کی عمر کے لحاظ سے ایک بات

میں نے ایسی دیکھی۔ کہ جس نے اس نظارہ کے نقوش کو بہت گہرے طور پر میرے دماغ پر ثبت کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڈھا شخص جس کی ڈاڑھی ناف تک پہونچ رہی تھی۔ ۷۵۔ ۸۰ سال اس کی عمر ہوگی۔ اس کا قد لمبا اور جسم دبلا پتلا تھا۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ پر زرد زرد پٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔ جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کا ہاتھ زخمی ہے۔ اور ہاتھ پہنچے کے آگے سے کٹا ہوُا تھا۔ اپنے اس ٹنڈ کو دوسرے صحیح ہاتھ پر مار رہا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا کہ ہائے ہائے مرزا۔ ہائے ہائے مرزا۔ اپنے بچپن کے لحاظ سے یہ نظارہ میرے لئے

ایک عجیب نظارہ

تھا۔ کہ ایک شخص کا ہاتھ کٹا ہوُا ہے اور اس پر ہلدی وغیرہ اس نے باندھی ہوئی ہے۔ مگر وُہ اپنا ٹنڈ دوسرے ہاتھ پر مارتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے ہائے ہائے مرزا۔ ہائے ہائے مرزا۔ بے شک یہ چیزیں ہوئیں۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ان باتوں کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور وُہ اپنے دل میں کہتے ہونگے۔ کہ دیکھا ہم نے احدیوں کا کیسا ناطقہ بند کیا۔ ان کو کیسا ذلیل اور کیسا رسوا کیا۔ مگر دنیا کی نگاہوں میں جو ذلت ہو۔ وہ

خدا تعالےٰ کے نزدیک عزت

ہوتی ہے۔ اور دنیا کی نگاہوں میں جو عزت ہو وُہ خدا تعالےٰ کے نزدیک ذلت ہوتی ہے۔ جس وقت وُہ تمام لوگ ہنسی کر رہے تھے۔ جس وقت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یہ سمجھتے تھے۔ کہ انہوں نے ساری دنیا میں تبلیغ احمدیت کے راستے بند کر دیئے ہیں۔ اس وقت ہر گالی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مل رہی تھی وُہ آپ کے

انعامات اور خطابات اور القابات کی فہرست

میں لکھی جارہی تھی۔ آخر یہ ان گالیوں کا ہی نتیجہ ہے۔ جو ہم یہاں بیٹھے ہیں اور کس بات کا نتیجہ ہے۔ پس وہ جتنا جتنا کہتے ہائے ہائے مرزا۔ ہائے ہائے مرزا یعنے نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مر گئے ہیں۔ اور وُہ آپ کا سیاپا کر رہے ہیں اتنا ہی فرشتے کہتے آپ کو اور زندگی ملے آپ کو اور درجہ ملے۔ اور آخر وہی بات پوری ہوئی جو خدا اور اسکے فرشتوں نے کہی۔ وُہ بات تو پوری نہ ہوئی۔ جو مولوی محمد حسین بٹالوی نے کہی تھی۔ تو دنیا کی طرف سے جو عزتیں آتی ہیں۔ وُہ کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔ ہاں جو عزت خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے وہی حقیقی عزت ہوتی ہے۔ اور وُہ انہی کو ملتی ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی خشیت اپنے دل میں رکھتے ہوں۔ ظاہری علوم کے رٹ لینے سے وُہ عزت نہیں مل سکتی۔ تو انسان کے لئے دنیا میں

ہر مقام پر گرنے کا خطرہ

ہے۔ سوائے اس کے کہ وُہ ایسے مقام پر پہونچ جائے۔ جہاں خدا خود اسے محفوظ قرار دے دے اور کہہ دے کہ اب تیرے گرنے کا کوئی خطرہ نہیں۔

غرض سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالےٰ نے ہمیں بتایا ہے۔ کہ تم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی دعا ہمیشہ پڑھتے رہو۔ یہ نہ ہو کہ ترقی کرتے کرتے تم کسی مقام پر پہونچ کر خوش ہو جاؤ اور سمجھ لو کہ اب ہم ایسے مقام پر پہونچ گئے ہیں کہ ہمارا ایمان خراب نہیں ہو سکتا فرمایا۔ یہ ہمارا حق ہے کہ ہم کہیں جو چاہو کرو۔ تمہارا حق نہیں۔ کیونکہ خدا جب کسی بندے کو کہتا ہے کہ اب تو بچ گیا ہے تو اس کے بعد اس کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ لیکن بندہ جب اپنے متعلق خود بخود یہ مقام تجویز کر لیتا ہے۔ تو چونکہ نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اس لئے وُہ ٹھوکر کھاتا اور گر جاتا ہے۔

یہ وُہ سورۃ ہے جو ہم پانچ وقت نمازوں میں روزانہ پڑھتے ہیں۔ اور پھر پانچوں نمازوں کی ہر ایک رکعت میں پڑھتے ہیں اور خدا تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں۔ کہ الٰہی منعم علیہ گروہ میں شامل ہونے کے بعد ہم

ارتداد کے گڑھے میں

نہ گر جائیں۔ پھر وُہ بات جس کا کسی نماز میں چار دفعہ کسی نماز میں پانچ دفعہ کسی نماز میں دس دفعہ اور کسی نماز میں گیارہ دفعہ ہم اقرار کرتے اور کہتے ہیں۔ کہ منعم علیہ گروہ میں شامل ہونے کے بعد بھی انسان بعض دفعہ مغضوب اور ضال بن جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ کیا ہو گیا۔ اس سے زیادہ بے وقوفی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی گورکن روزانہ قبریں کھودے۔ اور لوگوں کو اپنے ہاتھ سے لحد میں اتارے۔ اور پھر لوگوں سے یہ کہے کہ کیا لوگ مر بھی جاتے ہیں۔ جب وہ روزانہ لوگوں کو دفن کرتا۔ اور ان کی قبریں کھودتا ہے۔ تو اس کا موت پر تعجب کرنا بے وقوفی نہیں تو اور کیا کہلائے گا۔ اسی طرح ایک انسان جب روزانہ پانچ دفعہ خدا تعالےٰ کے حضور جاتا اور کئی کئی رکعتوں میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ

نے جو ریویو کیا اس میں لکھا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد تیرہ سَو سال کے عرصہ میں کسی ایک شخص نے بھی اپنے قول اور عمل سے اسلام کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی حضرت مرزا صاحبؑ نے کی ہے۔ مگر پھر وہی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تھے جنہوں نے آپ پر کُفر کا فتویٰ لگایا اور تمام ہندوستان میں آپ کی مخالفت کی آگ بھڑکائی۔ محض اس لئے کہ میری ہتک ہوئی ہے، مجھ سے اپنے دعویٰ کے متعلق حضرت مرزا صاحبؑ نے مشورہ کیوں نہیں کیا۔ اور دراصل پہلا غصہ انہیں آپ پر یہی تھا۔ چنانچہ جب کسی شخص نے انہیں بتایا کہ آپ ایک ایسی کتاب لکھ رہے ہیں جس میں وفاتِ مسیح کا ذکر آتا ہے۔ تو مولوی محمد حسین بٹالوی کہنے لگے کہ ہم سے تو انہوں نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ پھر اسی غصہ میں وہ سارے ہندوستان میں پھرے اور آپ پر کُفر کا فتویٰ لگایا اور کہا کہ میں نے ہی اس شخص کو اونچا کیا تھا اور اب میں ہی اسے نیچے گراؤں گا۔ مگر نتیجہ کیا نکلا؟ انہوں نے اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ آپ کا مقابلہ کیا۔ تھوڑے دنوں کے لئے ہاؤ ہو کا شور بھی مچالیا، آپ کو گالیاں بھی دی گئیں، آپ کو بُرا بھلا بھی کہا گیا۔ آپ کے خلاف لوگوں کو مشتعل بھی کیا گیا مگر آخر فتح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہی حاصل ہوئی۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ ملتان کسی مقدمہ میں گواہی دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ میں نے اُس وقت خواہش کی کہ میں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ میری عمر اُس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے ملتان میں کیا کیا دیکھا۔ جب ہم واپس آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں بھی ایک دو دن ٹھہرے۔ اُنہی دنوں کسی دوست نے شہر کے اندر آپ کی دعوت کی۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ وہ کھانے کی دعوت تھی یا اُس دوست نے کسی اور تقریب پر آپ کو بلایا تھا۔ جس وقت آپ وہاں سے واپس آ رہے تھے تو وزیر خان کی مسجد یا سنہری مسجد کے قریب بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ مفتی محمد صادق صاحبؓ بھی اُن دنوں وہیں قریب رہتے تھے اور میاں تاج دین صاحب وہیں رہتے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن میں سے کس دوست کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔ بہر حال جب واپس آئے تو مسجد کے قریب بہت بڑا ہجوم تھا اور جونہی لوگوں نے آپ کی گاڑی دیکھی انہوں نے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔ بعض گالیاں دینے لگ گئے، بعض نے آپ کے خلاف نعرے لگائے اور شور سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ شاید یہ نظارہ

حضرات ناظرین میں کہیں کا جاگیر دار نہیں۔ بڑا مالدار نہیں۔ سرکاری ملازم نہیں بلکہ ایک گوشہ نشین قومی خادم ہوں۔ تاہم عام مسلمانوں کا خادم اور فرقہ اہل حدیث کا ریپریزنٹو سمجھکر گورنر جنرل اور لفٹنٹ گورنر اور انکے ماتحت حکام مجھے کرسی دیتے ہیں۔ اور ننکے دربار وغیرہ جانیکا اتفاق ہوتا ہے۔ تو وہاں بھی کرسی ملتی ہے۔ بھر اگر عدالت میں بوقت ادائے گواہی کرسی نہ ملی (جو کسی کو بھی نہیں ملتی) اور خود دجّال کادیانی کو عدالت ملتان میں نہیں ملی) تو اس میں کونسی توہین ہوئی۔ جسکو دجّال کادیانی اور اسکے اتباع شیطانی اسپر لون مرچ لگاکر او بغلیں بجاکر شہرت دے رہے ہیں۔

حضرات توہین تو وہ ہے جو اس غلط تشہیر کے تھوڑے ہی دنوں بعد دجال کادیانی کو نصیب ہوئی۔ اور بیت ؎

دیدی کہ چون ناحق پروانہ شمع را ✤ چندان اماں نداد کہ شب را سحر کند

کی انطباق ہوگئی۔ یہ دجال ملتان کی شہادت سے فارغ ہوکر لاہور میں پہنچا۔ اور لکھی طوائف کی بیٹھک میں سنہری مسجد کے متصل ٹھہرا۔ اور ملا محمد بخش صاحب مہتمم اخبار جعفر زٹلی اور منشی امام الدین صاحب نے اس دجال کو اسکے کفریات پر بحث کرنے کے لئے للکارا۔ تو دُم دباکر بھاگ گیا۔ اور اُسکے بھاگنے پر شہر کے لڑکے اُسکے پیچھے ہو لئے۔ اور تالیاں بجاتے اور وہ بھاگا پکارتے ہوئے دہلی دروازہ سے باہر نکال کر واپس ہوئے۔ چنانچہ پرچہ اخبار جعفر زٹلی لاہور مورخہ ۱۹۰۴ء میں لکھا ہے۔

"مرزا کادیانی لاہور میں۔ مرزاجی دورہ کرتے ہوئے ۲۹۔اکتوبر کو لاہور میں پہنچے سنہری مسجد کے سامنے لکھی طوائف کے مکان پر اُترے۔ ہر چند ہمنے انکو مباحثہ کے لئے کہا۔ مگر وہ اپنی کرتوتوں سے مقابلہ میں نہ آئے اور نہ کسی قسم کے مسئلہ کا جواب دیکے بات یہ ہے کہ مرزاجی زیادہ تر زبانی جمع خرچ اپنے پیٹ کے لالچ سے ہر وقت کرتے رہتے ہیں اور اپنے دعوے کے ثبوت میں تین کلمے بھی نہیں رکھتے۔ غرض کہ مرزاجی جیسے آئے تھے